مستور مگر مسحور کُن شخصیت

مولانا محمد زبیر شمس الضحیٰ
جامعہ بنوری ٹاؤن

بڑے مفتی صاحب (حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری) نوراللہ مرقدہ کو مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، ہنوز دل ودماغ اس صدمے کی شدت سے چُور ہیں۔ کچھ لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں تو سنت سجایا تبسم بھرا چہرہ اور کبھی لہو میں نہایا رُخِ زیبا نگاہوں میں گھوم جاتا ہے اور پھر گھنٹوں گھنٹوں دل ودماغ میں یہ تصویر گردش کرتی رہتی ہے۔ اس تصور سے باہر نکلتا ہوں تو آپ کے معطر لہو کی خوشبو کا جھونکا قلب کو گھائل کر کے دل ودماغ کو پھر سونی یادوں کی اسی وادی میں کھینچ لاتا ہے اور دل کی کیفیت، بے کیف ہوجاتی ہے۔ اس مغلوب الحالی میں بڑے مفتی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی جامع، مسحور کُن، عالمانہ کمالی صفات کی حامل اور ہمہ گیر شخصیت کے متعلق کچھ لکھنا کم از کم اس تنگ دامن وتنگ نگاہ کے بس کی بات نہیں:

دامانِ نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار　　　　گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

حضرت بڑے مفتی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی شفقتیں وعنایتیں بندۂ ناچیز پر ایسی رہیں کہ ضبط تحریر میں لانے کے لئے نہ ہمت وحوصلہ ہے، نہ اظہار وبیان کی مشق وتمرین ہے، بس محض رنج والم کا کچھ بوجھ دل ودماغ سے ہلکا کرنے کے لئے کاغذ وقلم کا سہارا لے رہا ہوں۔

بڑے مفتی صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے بندے کا تعارُف بچپن سے اس طرح ہوا کہ مسجد الحمراء سے ہر جمعہ کے دن آنے والی نہایت پُرسوز اور دلدوز آواز دل کے دروازے پر دستک دیتی، جب خطیب صاحب خوش الحانی کے ساتھ جمعے کے بیان سے قبل مخصوص انداز میں قصیدہ بردہ کا یہ شعر:

یاربّ صلّ وسلّم دائماً أبداً　　　　علی حبیبک خیر الخلق کلّهم

پڑھتے تو الفاظ سامعتوں کو محظوظ کرتے ہوئے دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتے اور سنتے ہی دل گواہی دیتا کہ واقعۃً کسی سچے عاشقِ رسول کی زبان سے الفاظ نکل رہے ہیں جو سرتاپا عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم میں ڈوبا ہوا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ بڑے مفتی صاحب (مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ) ہیں۔

درجہ سابعہ (۲۰۰۶، ۲۰۰۵) تک حضرت نوراللہ مرقدہٗ سے جامعہ کے ایک استاد اور نائب رئیس دارالافتاء کی حیثیت سے تعارف اور اسی کے بقدر تعلق رہا۔ لیکن اسی سال استاذ محترم مفتی محمد انعام

الحق صاحب دامت برکاتہم کے سفرِ حج پر تشریف لے جانے کے بعد مفتی صاحب کی جگہ ہدایہ ثالث کا درس دینے بڑے مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ تشریف لانے لگے، تب حضرت کی شخصیت کے مخفی گوہر، ناچیز پر کھلے۔ حضرت نور اللہ مرقدہٗ بلاتکلف ہدایہ جلد ثالث کی عبارت کتاب میں دیکھے بغیر، حفظ سے ایسے مخفی اور غیر محسوس انداز میں پڑھتے کہ سامعین کو اندازہ بھی نہ ہوتا۔ حضرت علیہ الرحمۃ کے قریب بیٹھنے اور غور کرنے کے نتیجے میں جب ناچیز کو آپ کے اس کمال کا اندازہ ہوگیا تو بعض اوقات عبارت پڑھنے کے بعد حضرت بھی دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ سر کا ہلکا سا مخصوص اشارہ فرمادیتے۔

دورانِ درس عبارت کا ترجمہ، متعلقہ مسئلہ، ائمہ کا اختلاف، دلائل بیان کرنے کے بعد ایسی روانی سے کئی کئی فقہی جزئیات (بعض مرتبہ حوالہ جات کے ساتھ) بیان فرماتے کہ عقل دنگ رہ جائے۔ آپ کا درس انتہائی سادہ الفاظ میں، لیکن علمی گہرائیوں سے بھرپور ہوتا۔ انہی دروس کے دوران حضرت کی بے نظیر فقہی مہارت وبصیرت کا بھی خوب خوب اندازہ ومشاہدہ ہوا۔ بعد ازاں دورۂ حدیث میں جامع ترمذی جلد ثانی و شمائل ترمذی اور تخصصِ فقہِ اسلامی میں مقدمۂ شامی اور شرح عقود رسم المفتی کے دروس سے، حدیث وفقہ کے مجمع البحرین کے کمالات کا حسین امتزاج دیکھنے وسننے کو ملا۔ آپ کے درس کی خصوصیت یہ تھی کہ بہت تفصیلی مباحث سے خالی، انتہائی سہل لیکن دقیق فقہی نکتوں اور اصولی قواعد سے بایں طور مزین ہوتا تھا کہ ادنیٰ سے ادنیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ صلاحیت واستعداد کے حامل ہر دو قسم کے طلبہ یکساں مستفید ہوتے تھے، خصوصاً مقدمۂ شامی اور شرح عقود رسم المفتی کے درس کے دوران آپ کی فقہی جلالتِ شان مزید نکھر کر سامنے آئی۔

شہادت کے تین چار روز بعد دیکھنے والے نے خواب دیکھا کہ حدیث کی کسی کتاب کا درس دے رہے ہیں، کوئی ایسا مقام ہے جہاں تفصیلی مباحث ذکر کئے جاتے ہیں۔ سبق میں حاضر طلبہ میں سے کوئی ساتھی دل دل میں سوچ رہے ہیں کہ حضرت حدیث کے اس مقام پر تفصیلی بحث کیوں نہیں فرمارہے؟ اتنے میں حضرت نور ایمانی سے جان کر از خود فرماتے ہیں: مجھے معلوم ہے یہاں تفصیلی بحث کی جاتی ہے، لیکن اب اندازہ ہوا ہے کہ (تفصیلی مباحث کو چھوڑ کر) جتنا زیادہ حدیث کو پڑھا جائے اتنا فائدہ ہوتا ہے۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کو اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت عطا فرمائی ہے، وہ خالص اللہ تعالیٰ کی دَین اور محتاجِ بیان نہیں ہے۔ مسائل وفتاویٰ کے حوالے سے جس قدر عوام کا رجوع اللہ تعالیٰ نے اس جامعہ کو نصیب کیا ہے، وہ جامعہ سے جاری ہونے والے مدون فتاویٰ کے لئے حضرت رحمہ اللہ کی لکھی گئی تقریظ سے خوب واضح ہے۔ دستی تحریری فتاویٰ کی یومیہ اوسط تعداد چالیس سے پچاس ہے۔ فتویٰ کے میدان سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ فتویٰ کا معاملہ کس قدر نازک ہے۔ روز کے صرف چالیس فتاویٰ ہی اتنی کافی مصروفیت ہے کہ دوسرا کام سوچنے کی فرصت نہ ملے۔ جامعہ میں دورۂ حدیث اور درجۂ تخصص کی تدریس، جامعہ معہد الخلیل الاسلامی میں تصحیحِ فتاویٰ، جامعہ درویشیہ میں مشیختِ حدیث کی مسند اور مسجد

الحمراء کی امامت وخطابت اس کے سوا ہیں۔

یوں تو آپ فقیہ النفس تھے ہی، تقریباً اڑتیس سال تدریس وافتاء کی خدمت سے وابستہ رہنے کے نتیجہ میں آپ کے فقہی ذوق کو چار چاند لگ گئے تھے اور یہ ذوق صرف علمی حد تک محدود نہیں تھا، بلکہ آپ کا ہر عمل فقہ کے جزئیات وکلیات پر پورا اترتا تھا۔ مثال کے لئے ایک دو واقعات کا بیان کافی ہوگا۔ ناچیز دورۂ حدیث کے سال ایک روز آنکھوں میں سیاہ سرمہ ڈال کے سبق میں حاضر ہوا، تو حضرت نے دیکھتے ہی دورانِ درس مائیک کے سامنے سے سَر ہٹا کر قریب ہوکر ارشاد فرمایا: ''کالا سرمہ تو خواتین کے لئے ہے، مردوں کے لئے فقہاء نے اسے مکروہ لکھا ہے، مردوں کے لئے اثمد ہے (جو سرمئی اور براؤن دورنگ کا ہوتا ہے)۔'' ناچیز کے لئے یہ علمی اضافہ تھا۔ حضرت نوراللہ مرقدہٗ کو غور سے دیکھا تو ہمیشہ اہتمام کے ساتھ اثمد کے استعمال کا عادی پایا، شاید ہی کبھی چشمِ مبارک سرخ اصفہانی اثمد سے خالی نظر آئی ہوں۔ بعد میں یہ جزئیہ کئی کتب میں دیکھا کہ عام حالت میں مردوں کے لئے سیاہ سرمہ فقہاء کے ہاں مکروہ ہے؛ کیوں کہ یہ زینت کا حصہ ہے جو خواتین کے احکام میں سے ہے۔ مردوں کے لئے اثمد ہی کا استعمال خاص ہے۔ ملاحظہ ہو:

''كتاب الكراهية، الباب العشرون في الزينة واتخاذ الخادم للخدمة، (۳۵۹/۵) ط: مكتبه حقانيه پشاور'' جب کہ امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں مردوں کے لئے صرف علاج وغیرہ کی ضرورت کی صورت میں سرمے کا استعمال (بلا کراہت) جائز ہے، ورنہ وہ مطلقاً کراہت کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو: ''جمع الوسائل فی شرح الشمائل لعلی القاری، [المتوفی: ۱۰۱۴ھ]، باب ماجاء فی کحل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، (ص: ۱۲۹) ط: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان''۔

ناچیز نے تخصص کے دوران کئی مرتبہ یہ بات محسوس کی کہ حضرت کو مسندِ افتاء پر تشریف رکھتے ہوئے سلام کیا جائے تو بعض اوقات جواب دیتے ہیں اور بعض مرتبہ نہیں۔ دل میں کھٹک ہوتی کہ ناراض نہ ہوں! لیکن انہی دنوں فتاویٰ کی کتب میں یہ جزئیہ نظر سے گزرا کہ قاضی کو دورانِ قضاء، اور مفتی کو فتویٰ دیتے وقت سلام کرنا ادب کے خلاف ہے، اس دوران اگر کوئی سلام کرے بھی تو قاضی اور مفتی پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔ چناں چہ پھر غور کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت جس وقت تصحیح کے لئے فتاویٰ پر نظر فرما رہے ہوتے تو اس وقت آپ کی مکمل توجہ اسی جانب ہوتی، اور جب اس مشغولیت سے ذرا فارغ ہوتے تو اس دورانی عرصے میں سلام کرنے والوں کو جواب بھی ارشاد فرماتے۔

فقہ سے اس کلی مناسبت کے ساتھ حدیث وسنت سے علمی وعملی مناسبت بھی تام تھی۔ دورانِ درس متعارض احادیث کی تطبیق اور ترجیح کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ حدیث کے علم اور اس پر پختہ عمل ہی کا اثر تھا کہ دورانِ درس کیف وسرور کا ایسا روح پرور سماں بندھتا کہ الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جاسکتا۔ راقم آثم کے ہم درس بنگلہ دیش کے ایک ساتھی کی دورۂ حدیث کے سال بڑے مفتی صاحب اور ایک بڑے بزرگ

استاذ کے سبق کے دوران عجیب حالت ہوتی تھی، آنسوؤں کی ایک لڑی آنکھوں سے بہہ رہی ہوتی تھی۔ پڑوسی ساتھی بارہا دریافت کرتے تو جواب ملتا کہ تسلسل سے بیٹھنے کی وجہ سے ٹانگ میں شدید تکلیف ہوتی ہے؛ اس لئے رو رہا ہوں، راقم کو ان سے بے تکلفی تھی، ایک مرتبہ مجھے بتلایا کہ میں درد اور تکلیف کی وجہ سے نہیں روتا، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جب بڑے مفتی صاحب اور دوسرے استاذ صاحب درس دے رہے ہوتے ہیں تو مسندِ حدیث تا آسمان نور کا ایک ستون بن جاتا ہے اور دونوں اسباق کے دوران اساتذہ دکھائی نہیں دیتے، بلکہ یہ نور اس قدر تیز ہوتا ہے کہ اس کی شعاعیں میری نگاہ برداشت نہیں کر پاتی اور بے اختیار آنسو بہہ پڑتے ہیں۔

تقویٰ و پرہیزگاری، اخلاص وللّٰہیت واخفا، توکل، عبادت، دعا وتضرع، حلم و بردباری، تواضع وانکساری، امت پر شفقت، صبر ورضا بالقضا، مسنون اذکار وادعیہ کے اہتمام سے مُحلّٰی طبیعت اور تکبر، غصہ، حسد، غیبت، اسراف ایسے رذائل سے پاکیزہ فطرت رب نے ودیعت کی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان عالمانہ اوصاف کی جامع شخصیات بہت ہی کم دیکھی گئی ہیں:

بے تکلف، بے ریا، بے نفس، بے خود، بے غرض
مہربانے، دل نوازے، دوست دارے ایں چنیں
چشمِ من بسیار گروید است و کم کم دیدہ است
ایں قدر عالی وقارے خاکسارے ایں چنیں
در ہمہ عالَم نہ بینی جز بہ خاصانِ خدا
با چنیں طبعے بلندے انکسارے ایں چنیں

عبادت کا ذوق ایسا والہانہ تھا کہ تہجد اور اشراق سے لے کر اوابین تک تمام نوافل کا آخر وقت تک اہتمام تھا۔ پنج گانہ نماز باجماعت ادا کرنے کا اہتمام ایسا کہ ایک سفر میں ناچیز نے خود مشاہدہ کیا کہ کئی دن تک شدید گرمی اور کافی فاصلہ پیدل طے کرنے کی مشقت اٹھا کر مسجد میں جماعت سے نماز ادا فرماتے تھے، جب کہ بعض جوان بھی سفر کی رخصت اور بعض گرمی کے عذر کا سہارا لے کر اپنے حجروں میں جماعت کرتے تھے۔ تہجد کی عادت ایسی پختہ تھی کہ سفر ہو یا حضر، یہاں تک کہ تفریحی اسفار میں بھی جب سب تھک کر سو گئے تو نصفِ لیل تا سحر آپ کو نالۂ نیم شبی میں پایا گیا۔ اشراق کی مواظبت تو شائع وذائع ہے۔ بعض اوقات حضرت کی مسجد میں مغرب یا عشاء کے بعد حاضری ہوئی تو بڑے مفتی صاحب کو مسجد میں ہی دیر تک نوافل ادا کرتے پایا۔ ناچیز نے بعض مرتبہ عرض بھی کیا کہ حضرت! آج کل حالات بھی سازگار نہیں اور گھٹنوں کی تکلیف بھی ہے، مولوی عزیز بھی اب نیابت کر سکتے ہیں، تو کبھی خاموشی سے مسکرا دیتے۔ اور شہادت سے صرف دو دن قبل بھی بندے کے اس بابت استفسار پر فرمایا: جمعہ کا بیان میں خود کرتا ہوں، خطبہ اور نماز عزیز پڑھاتا ہے، کیوں کہ ٹانگ موڑنے میں تکلیف ہوتی ہے، عرض کیا کہ حضرت اب تو مولوی عزیز کے حوالے فرمادیں! تو فرمایا: دیکھتے ہیں! (کریمانہ

اخلاق کے سبب اپنے صاحبزادے تک کو یہ تکلیف دینا گوارا نہیں فرمائی کہ اس کی تعلیمی یکسوئی میں حرج آئے۔)

اکابرِ دیوبند سے آپ کو خاص عشق تھا، روزانہ معمول یہ تھا (اور ہمیں بھی یہی نصیحت فرمائی) کہ رات سونے سے پہلے آدھ گھنٹہ کم وبیش اکابر کے سوانح اور واقعات پڑھتے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مختلف اکابر کی مختلف شانیں آپ میں جمع تھیں۔ صبح سے لے کر رات دیر تک حدیث وفقہ کی تدریس اور فتاویٰ کی تصحیح کے حوالے سے آپ کا معمول ایسا لگا بندھا تھا کہ مدتوں اوقات میں معمولی فرق نہ آیا، گویا فقیہِ دوراں ومحدث بے بدل حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کی شانِ استقامت اور شانِ جامعیت کا چلتا پھرتا نمونہ بڑے مفتی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی صورت میں آنکھوں نے دیکھا۔ دوسری طرف حضرت مدنی علیہ الرحمۃ سے غیر معمولی حد تک متأثر نظر آتے تھے، اگر یہ کہا جائے کہ بڑے مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کی صورت میں حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کو ان آنکھوں نے دیکھا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ نہ صرف اپنے اساتذہ کی خدمت بلکہ اس پیرانہ سالی میں جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر طبقے میں آپ کو عزت واحترام عطا کر کے ہر دلعزیز بنا دیا تھا، اس وقت بھی اپنے شاگردوں، خادمین، اور اہل خانہ واولاد کی خدمت میں کوشاں رہتے تھے۔ گھر میں چارپائی کی بان ڈھیلی ہونے پر رسی کسنے، کپڑے دھونے، حتیٰ کہ بچوں کے کپڑے تک خود استری کرنے میں عار محسوس نہ فرماتے تھے۔

گزشتہ سال خیر المدارس ملتان میں وفاق المدارس کے زیرِ اہتمام جوابی پرچوں کی جانچ کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت کے کمرے میں اے سی کی سہولت موجود تھی، جو بحیثیت ممتحنِ اعلیٰ آپ کے لئے مخصوص تھا، لیکن مخلوق کی شفقت کے آگے ایسے مجبور کہ رات ہوتے ہی اس کمرے کے دروازے خدام کے لئے یوں وا کر دیتے کہ تل دھرنے کی جگہ نہ رہتی، اور سب خدام رات سکون کی نیند سوتے۔ سخت گرمی کے موسم میں عام درجے کی اے سی کوچ میں گھٹنوں کی شدید تکلیف کے باوجود جس صبر، سکون، بردباری اور شگفتگی کے ساتھ سفر مکمل کیا وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ سارا راستہ مزاح، اور لطائف سے محظوظ بھی ہوتے رہے اور "**لایزال لسانک رطباً بذکر اللہ**" پر عمل بھی جاری رہا۔ کراچی سے ملتان کے سفر، گرمی کی شدت اور دیگر سفری مشقتوں کے باوجود حضرت کے چہرے پر ذرا تغیر نہیں تھا، بلکہ اسی طرح تر وتازہ جیسے کراچی سے روانہ ہوئے تھے، ملتان کے جس علاقے سے گزر ہوتا، اس کا تعارف بھی کراتے اور موقع ومحل کی مناسبت سے مزاح بھی فرماتے۔

یہ کوئی ایک واقعہ نہیں تھا، بلکہ حضرت کی ساری زندگی ہی اس سادگی، تواضع وانکساری کا نمونہ تھی، چنانچہ دو سال قبل ایک جمعرات کی عصر کی اذان کے وقت راقم آثم کے گھر پر بڑے مفتی صاحب بنفسِ نفیس اپنی سادہ سی موٹر سائیکل پر تشریف لائے، ناچیز شرم سے پانی پانی ہو گیا، عرض کیا کہ خادم کو حکم کیا ہوتا! مسکرا کر فرمایا: بس یہ بتانا تھا کہ ہفتہ کو وفاق کے امتحانات میں نگرانی کے لئے تم نے بھی ساتھ جانا ہوگا، رات میں جامعہ آجانا دارالافتاء میں بیٹھ کر نقشہ بنالیں گے اور یہ کہہ کر حضرت نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کر لی اور فرمایا: عصر کی نماز کا وقت قریب ہے۔

گزشتہ سال جامعہ میں ختم بخاری کے موقع پر جب سب کے مشفق ومحسن استاذ محترم مولانا امداداللہ صاحب دامت برکاتہم نے حضرت مفتی صاحب کو بیان اور طلبہ کو نصائح ارشاد فرمانے کے لئے دعوت دی تو مائیک پر پہنچ کر مفتی صاحب بے ساختہ رونے لگے اور کافی دیر رونے کے بعد فرمایا: حضرت بنوری نوراللہ مرقدہٗ نے ایک مرتبہ ختم بخاری کے موقعہ پر ارشاد فرمایا: قیامت کی علامت ہے کہ یوسف بخاری کا درس دے رہا ہے۔ یہ قول نقل کر کے فرمایا: یہ تو حضرت بنوری نوراللہ مرقدہٗ نے تواضعاً فرمایا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قیامت کی علامت ہے کہ عبدالمجید مسندِ حدیث پر حدیث کا درس دے رہا ہے۔ اور پھر بیان میں طلبہ کے نصائح کے ضمن میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا ایک واقعہ سنایا۔ (جو آپ کی فقاہتِ نفسی کی دلیل ہے۔)

حلم و بردباری کا یہ عالم تھا کہ بچوں کے کھیل کے دوران گزرتے ہوئے کبھی گیند لگ جاتی تو چہرۂ مبارک پر تغیر آنا بڑی بات، مسکراتے ہوئے گیند خود اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر بچوں کو تھما دیتے۔ یہ بھی سننے میں آیا کہ مسجد میں بعض کم نصیب لوگ آپ کو برسرِ عام منہ پر سخت الفاظ کہہ دیتے تو زبان سے کچھ کہنا تو دور کی بات، چہرے کا رنگ بھی متغیر نہ ہوتا تھا۔

تقویٰ کی انوکھی شان آپ میں دیکھی۔ شہر کی ایک مشہور دکان جہاں لوگ عیدِ قربان کے موقع پر قربانی کا گوشت لاکر ہنٹر بیف وغیرہ بنواتے ہیں اور یہ دکان اسی حوالے سے شہر بھر میں معروف بھی ہے۔ حضرت وہاں کا بنا ہوا ہنٹر بیف نہیں کھاتے تھے۔ عقدہ یوں کھلا کہ ایک مرتبہ فرمانے لگے: میں نے صاحب دکان سے کہا ہے کہ آپ کے ہاں مسلمانوں کی طرح اُن دیگر فرقوں کے لوگ بھی اپنے مذبوحہ جانوروں کا گوشت لاتے ہیں جن کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، اور ان دنوں میں آپ مسلمانوں کے مذبوحہ جانور اور غیر مسلموں کے حرام مذبوحہ جانور ایک ساتھ ایک گھی میں پکاتے ہیں، غیر مسلم کا ذبیحہ حرام ہونے کے ساتھ ساتھ ناپاک بھی ہے، اس کے ساتھ ملنے کی وجہ سے مسلمان کا گوشت بھی ناپاک ہوجاتا ہے۔ فرمایا: صاحبِ دکان نے وعدہ کیا ہے کہ آئندہ حلال وحرام ذبیحے کے گوشت کو الگ الگ رکھوں گا اور الگ ہی پکاؤں گا۔

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
ان ہی کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی

اسراف سے اس قدر اجتناب کرتے کہ خط کا لفافہ کاٹ کر (اس کے اندر کی جانب جو خالی ہوتی ہے، اس پر) فتویٰ کی تمرین کے لئے تخصص کے طلبہ کو دیا کرتے تھے۔ سنت کی پابندی کا خوب اہتمام تھا۔ اخلاق ہوں یا اعمال، آپ کے ہر عمل کی بنیاد پر کوئی نہ کوئی حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوتی تھی۔ آخر وقت بھی جب آپ کا جسد اطہر چارپائی پر رکھا تھا تو تقریباً اڑھائی گھنٹے ناچیز حضرت کے سرہانے رہا اور بہت ہی غور سے حضرت کو دیکھتا رہا۔ اس وقت محسوس ہوا کہ حضرت ظاہر میں تو محراب پور کے سفر کی تیاری میں مونچھوں کو عین سنت کے مطابق تراش کر روانہ ہونے کو تیار تھے، لیکن حقیقت میں بارگاہِ ایزدی کی حاضری کے وقت سنتِ حُبیبی پر عمل کر گئے۔